قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا

فیصلہ متفقہ طور پر کیا تھا

قومی اسمبلی کے سابق سپیکر صاحبزادہ فاروق علی کے خیالات

س: کیا تحریک ختم نبوت کے دوران بھی آپ کو ایسے ہمدرد میسر آئے تھے جو آپ کے کام آئے۔ کہا جاتا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت جو ایک ولولہ انگیز تحریک کے بعد حل ہوا اس تحریک کے دوران بھی اسمبلی کے ارکان کو حکومت نے اپنے ساتھ ملانے یا ان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ آپ اس وقت قومی اسمبلی کے سپیکر تھے۔ کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے؟

ج: صوبوں کی بات کیا تھی، صوبائی وزراء نے کسی اپوزیشن رہنما سے کوئی سودے بازی کی تھی یا نہیں۔ اس کے بارے میں میری معلومات کچھ نہیں۔ جہاں تک مرکزی حکومت کا تعلق ہے، تو اس نے ایسا ہرگز نہیں کیا نہ صرف یہ کہ کسی اپوزیشن رہنما کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود اپنی پارٹی کے ارکان اسمبلی پر بھی کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا۔ پیپلز پارٹی کے دور کا شاید واحد کیس ہے جس کے بارے میں پورے دعوے اور کامل وثوق سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حکومت نے ممبران اسمبلی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ وہ اپنی سوچ اور رائے کے بارے میں بالکل آزاد تھے۔ البتہ اس بات کی پابندی

ضروری تھی کی ممبران اسمبلی نہ تو تحریک سے متاثر ہوں اور نہ اسمبلی کے اندر اٹھائے جانے والے سوالات سے۔ وہ صرف حالات اور مسائل کو سامنے رکھ کر اپنے ایمان، ضمیر اور دل و دماغ کے حوالے سے جس نتیجے پر پہنچیں، اس کے مطابق رائے دیں۔

س: جب مسئلہ ختم نبوت اسمبلی میں گیا تو اس بحث کی کارروائی خفیہ کیوں رکھی گئی۔ اجلاس خفیہ کیوں ہوتے رہے۔ کیا حکومت کسی فریق سے سودے بازی نہیں کرنا چاہتی تھی؟

ج: خفیہ اجلاس کا اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ بحث اور کارروائی کے دوران کئی ایسے امور بھی پیش ہوں گے یا منظرعام پر آئیں گے، جن سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔ بحث میں قادیانی فرقے کے رہنماؤں کو بھی بلانا تھا۔ ان کا نقطہ نظر بھی سننا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ کہتے، اس سے مسلمانوں کو ہرگز اتفاق نہ ہوتا۔ ان کی باتیں بھی منظرعام پر آتیں تو اس سے تحریک کے تشدد کی راہ پر چلنے کا اندیشہ تھا۔ لوگ مشتعل ہو کر نہ جانے کیا کر گزرتے۔ لہٰذا بہت ہی غور و فکر کے بعد بحث اور کارروائی خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اخفاء سے حکومت کوئی مفاد حاصل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ناموس رسالتؐ کا مسئلہ سب سے زیادہ نازک اور حساس مسئلہ ہے۔ مسلمان ناموس رسالتؐ کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اپنے پیغمبرؐ کی عزت و عظمت کے لیے جان جیسی قیمتی چیز کو بھی آن واحد میں قربان کر دینا ایک مسلمان کے لیے انتہائی معمولی بات ہے۔ حضور رسالت ماب ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ امت کو جو والہانہ عشق ہے، اس کو زبان و قلم سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ کسی بھی خطرناک اور جذباتی صورت حال سے بچنے کے لیے اس کارروائی کو خفیہ رکھنا ہی مناسب تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومتیں سودے بازیاں نہیں کرتیں یا ہماری حکومت اس سے بے نیاز تھی۔ لیکن کم از کم اس مسئلے پر وہ اس قسم کی بات سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عام مسائل پر سودے ہوتے بھی ہیں اور ٹوٹتے بھی ہیں۔ بات بنتی بھی ہے اور بگڑ بھی جاتی ہے۔ ہر دو حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے حکومت کے پاس بے شمار وسائل اور ذرائع ہوتے ہیں مگر اس بارے میں کوئی سودے بازی خود حکومت کے حق میں نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی ایسی بات کی جاتی اور اس کی تھوڑی سے بھنک بھی عوام کے کانوں میں پڑ جاتی تو تحریک

کارخ قادیانیوں سے ہٹ کر حکومت کی طرف مڑ جاتا۔

حکومت نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس مسئلے پر غیر جانبدار رہے گی۔ وہ نہ تو تحریک کی حمایت کرے گی اور نہ ہی تحریک سے متاثر ہو کر دوسرے فرقے کو کچلنے کی اجازت دے گی۔ حکومت نے اپنے اس فیصلے کی پابندی کی۔ کسی شہر میں تحریک کو تشدد کی راہ پر نہیں چلنے دیا۔ تحریک کے دوران جہاں جہاں اشتعال کی فضا پیدا ہوئی' وہاں وہاں اقلیتی فرقے کی جان و مال کے تحفظ کا بندوبست کیا گیا۔ بعض مقامات پر حکومتی ذمہ داریاں ادا کرنے کے سلسلے میں تحریک سے متعلق مسلمانوں پر تشدد بھی ہوا لیکن دیدہ دانستہ طور پر کسی ایسی کارروائی کا ارتکاب کم سے کم میرے علم میں نہیں ہے۔ اس خفیہ بحث کا فیصلہ کھلا تھا اور اس فیصلے سے ملت اسلامیہ آج تک مطمئن ہے۔

ہم ان کو نہ بچا سکے

س: بحث کے دوران اقلیتی فرقے کے رہنماؤں کے دلائل کیا تھے......؟

ج: ہمارے ممبران اسمبلی کا تاثر یہ تھا کہ اس جماعت کے اکثر لوگ پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ ان کے مذہبی پیشوا اپنے موقف کے حق میں وزنی اور حیران کن دلائل دیں گے۔ لیکن جب انہیں بلایا گیا تو یہ تاثر ختم ہو گیا۔ ان کے دلائل بہت ہی مضحکہ خیز اور مایوس کن تھے۔ مرزا ناصر احمد پر دو ماہ تک جرح ہوتی رہی۔ وہ جرح کا سامنا تو کر گئے لیکن اپنا موقف پیش کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ اس بحث کی روشنی میں حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ ربوے کی قادیانی جماعت کے عقائد فی الواقع خطرناک ہیں۔ لیکن قادیانیوں کی لاہوری جماعت ان عقائد کی حامل نہیں اور لاہوری جماعت کو غیر مسلم قرار دینا درست نہ ہو گا۔ ہمارا یہ تاثر مرزا ناصر احمد کا بیان سننے کے بعد قائم ہوا تھا۔ حکومت اپنے طور پر ایک طرح سے طے کر چکی تھی کہ لاہوری مرزائیوں کو بچا لیا جائے کیونکہ یہ جماعت مرزا غلام قادیانی کو نبی نہیں مانتی' جس کی بناء پر اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے لیکن جب لاہوری جماعت کے معمر رہنما مولوی صدر الدین کو بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

اس فرقے کا ہر گروہ عقائد کا خطرناک گورکھ دھندا لیے پھرتا ہے۔ صدر الدین کی

جماعت اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے' مولوی صدر الدین نے وہ تاثر ختم کر دیا جو ان کی جماعت کے بارے میں ہمارے دل میں پیدا ہو چکا تھا وہ صرف دو روز جرح کا سامنا کر سکے۔ ان کی گفتگو کی روشنی میں جب ہم نے اپنے ممبران اسمبلی کی رائے معلوم کی تو اکثر ممبران کا کہنا تھا کہ اگر مسلمانوں کے مطالبے کو تسلیم کر کے اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا ہے تو لاہوری جماعت پر سب سے پہلے اس فیصلے کا اطلاق ہونا چاہیے۔ اس جماعت کو بچانا بہت خطرناک ہو گا۔ کیونکہ ان کے کتابی عقائد ربوے کے قادیانیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ان دونوں فرقوں کے عقائد کا فرق مذہبی کے بجائے سیاسی ہے۔ مذہبی طور پر دونوں ایک ہیں۔ اس طرح ہم نے لاہوری جماعت کو بچانے کی کوشش کی' مگر دلائل ان کے خلاف جا رہے تھے۔ لہٰذا ہم اسے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صدر الدین کی دلی خواہش ہے کہ ان کی جماعت کو بھی غیر مسلم قرار دیا جائے کیونکہ ان کے دلائل خود ان کے خلاف تھے۔

س: کیا آپ اسمبلی کے اندر ہونے والی اس کارروائی کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے....؟

ج: میں تو بتانا یقیناً پسند کرتا لیکن جب یہ کارروائی ہوئی تھی اس وقت تمام ممبران اسمبلی سے یہ حلف لیا گیا تھا کہ کوئی شخص اس کارروائی کو منظر عام پر نہیں لائے گا۔ اس لیے اس کارروائی سے متعلق کوئی بات بتانا اس حلف کی خلاف ورزی ہو گا جو ہم نے اٹھایا تھا۔

س: کیا یہ کارروائی حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی طرح ہمیشہ خفیہ رہے گی......؟

ج: اگر کوئی منتخب حکومت چاہے تو اس کارروائی کو یا اس کے کسی حصہ کو شائع کر سکے گی لیکن یہ صورت اسی طرح ہو گی کہ جیسے کوئی حکومت آئین میں کسی وقت ترمیم کی مجاز ہوتی ہے۔

س: اس کا مطلب یہ ہے کہ آئین میں اس بات کی گنجائش نہیں۔

ج: جی ہاں! آئین میں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کی اشاعت کے لیے آئین میں ترمیم کی ضرورت پڑے گی اور ترمیم کے بعد ہی اس بحث کو منظر عام پر لانے کی گنجائش پیدا ہو گی۔

س: اس فیصلے یا اس کارروائی کے سلسلے میں اقلیتی فرقے نے اپنے بیرونی ہمدردوں

اور بہی خواہوں کے ذریعے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش تو کی ہوگی......؟

ج: جی نہیں' بالواسطہ یا بلاواسطہ اس فرقے کے کسی لیڈر نے ایسا نہیں کیا۔ البتہ جماعت کے بڑے لیڈر مسٹر ظفراللہ خان ذاتی طور پر یو این او کے سیکرٹری جنرل کے پاس پہنچے اور انہوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بارے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔ کیونکہ پاکستان میں ان کے فرقے کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ چونکہ حالات وواقعات ان کے اس بیان کے خلاف تھے' اور پاکستان میں ان کے فرقے کے ساتھ ظلم کی مبینہ کہانی من گھڑت تھی' اس لیے یو این او کے سیکرٹری جنرل یا کسی دوسری بیرونی طاقت نے حکوت پر دباؤ ڈالنے کی جرات ہی نہیں کی۔ کیونکہ حالات کی ظاہری تصویر نہ صرف ان کے بیان کی تردید کرتی تھی' بلکہ اس نقشے پر مسلمان مظلوم نظر آتے تھے۔ ان کی تحریک کو بزور دبانے کی کوششیں جاری تھیں۔ لیڈروں کو گرفتار کیا جارہا تھا۔ ہزاروں کارکن جیلوں میں تھے اور قادیانیوں کی جان وصورت حال دنیا کے سامنے تھی۔ دوسری طرف پورے عالم اسلام کی خواہش تھی کہ اس فرقے کا اصل مقام متعین کرکے مسلمانوں کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کیا جائے اور تحریک کے نتیجے میں پاکستان کو کسی طرح کا نقصان بھی نہ پہنچے۔ یہ تمام باتیں مسٹر ظفراللہ کے بیان کے خلاف تھیں۔ آخر دنیا اندھی تو نہیں کہ وہ سچ اور جھوٹ کے درمیان فرق نہ کرسکے۔

س: شنید ہے کہ مفتی محمود مرحوم نے مرزا ناصر پر جرح کی تو آپ نے انہیں جرح کرنے سے روک دیا۔ اگر یہ درست ہے تو آپ کے دعویٰ غیر جانبداری کی کیا حیثیت ہے.....؟

ج: اسمبلی کی جملہ کارروائی ٹیپ ہوتی ہے۔ یہ کارروائی بھی ٹیپ ہوئی تھی۔ اس کا ریکارڈ آج بھی موجود ہے۔ اس ریکارڈ سے میرے بیان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ مفتی محمود واحد ایسے ممبر تھے جنھوں نے مرزا ناصر احمد سے چند ایسے سوالات کیے اور انہیں روکا نہیں گیا۔ مرزا ناصر نے مفتی محمود کے سوالات کا جواب دینے سے انکار کیا لیکن میں نے بحیثیت سپیکر ان پر واضح کیا کہ انہیں نہ صرف مفتی محمود کے سوالات کا جواب دینا ہوگا بلکہ اگر کسی اور ممبر نے سوال کیا تو اس کا جواب دینے کے بھی وہ پابند ہیں۔ حتیٰ کہ وہ چاہیں تو خود بھی کسی ممبر سے سوال کرسکتے ہیں۔ وہ ممبر بھی ان کے سوال کا جواب دے گا۔ ہمیں

افہام و تفہیم کی غرض سے ایک اچھے اور خوشگوار ماحول میں بات کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو مفتی صاحب مرحوم کو سوال کرنے سے روکا گیا نہ ہی انہوں نے خود زیادہ سوالات کیے۔ کیونکہ براہ راست سوال و جواب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ سوالات کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے چیئرمین اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار تھے۔ سوالات خود یحییٰ بختیار کرتے تھے۔ یہ بات پہلے ہی طے کرلی گئی تھی کہ اگر کوئی ممبر سوال کرنا چاہے تو وہ اپنا سوال اس کمیٹی کے سامنے پیش کرے۔ کمیٹی کی طرف سے یحییٰ بختیار خود ہی سوال کریں گے۔ مفتی صاحب نے ذاتی حیثیت میں جو سوالات کیے' وہ ضمنی گفتگو سے متعلق تھے۔ ان کی نوعیت باقاعدہ سوالات کی سی نہ تھی۔ کیونکہ سوالات کے لیے جو ضابطہ بنایا گیا تھا مفتی صاحب بھی اس ضابطے کے پابند تھے۔ لہٰذا مفتی صاحب کو میری طرف سے کچھ کہنے یا ٹوکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو ویسے ہی ان کا نیاز مند تھا۔

س: مسئلے پر بحث کے دوران سیکولر نظریات کی حامل جماعتوں کے ممبران کا رویہ کیا تھا۔ مسٹر ولی خان اور ان کی جماعت نے کیا رول ادا کیا؟

ج: قومی اسمبلی میں سیکولر یا غیر سیکولر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ پاکستان کی تاریخ میں یا تو ۷۳ء کا آئین متفقہ طور پر بنایا یا پھر قادیانیوں کے بارے میں فیصلہ بالاتفاق ہوا۔ اس کے سوا متفقہ فیصلے کی کوئی مثال کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ جہاں تک حکمران پارٹی کا تعلق تو اس نے ہاؤس کے فیصلے کو تسلیم کرنا تھا۔

ویسے بھی ہماری جماعت کا مزاج جمہوری ہے۔ ہم نے کسی حیل و حجت کے بغیر ہاؤس کا فیصلہ تسلیم کرلیا تھا۔ جس روز فیصلہ ہوا' ولی خان سوات میں تھے۔ میں نے ان کو سوات سے بلایا۔ وہ آئے اور انہوں نے بھی فیصلے پر دستخط کر دیے۔

(بہ شکریہ "جنگ" لاہور' جمعہ ایڈیشن) (ہفت روزہ "لولاک"' جلد ۱۹' شمارہ ۲۱)